(غلام گردش)

اصل قبرستان تو دل ہوتا ہے!

ٹھیک دس برس پہلے، اپریل کے آخری دن یعنی تیس تاریخ کو گھر کے لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس ہال کمرے کے چار دروازے تھے۔ ایک دروازہ گھر کے دوسرے حصے کی طرف کھلتا تھا۔ جس میں والدہ کا کمرہ تھا۔ دائیں جانب کے فالج کی وجہ سے والدہ صاحبِ فراش تھیں۔ تقریباً سات برس سے۔ پیرانہ سالی کے باوجود روزہ نہیں چھوڑتی تھیں۔ ڈاکٹروں نے بارہا کہا کہ آپ بیمار ہیں۔ روزہ نہ رکھیے۔ مگر کوئی جواب نہیں دیتی تھیں۔ اگلے دن پھر روزہ رکھ لیتی تھیں۔ اب بحث کرنا چھوڑ چکا تھا۔ ماں جی اپنے کمرے سے باہر صرف شام کو نکلتی تھیں۔ وہیل چیئر پر آرام سے بیٹھ کر باہر لان میں درختوں اور پرندوں کو غور سے دیکھا کرتی تھیں۔ درختوں کے یونانی یعنی اصل نام انہیں اَزبر تھے۔ 54-1953 میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بوٹنی میں ایم ایس سی کر رکھی تھی۔ اسلیے پودوں اور درختوں میں دلچسپی واضح تھی۔ ایک بات، گھر کے جس حصے میں میرا کمرہ اور لاؤنج تھا، اس میں انکا آنا بہت کم ہوتا تھا۔ 30 اپریل کو اچانک وہ وہیل چیئر پر ٹی وی والے کمرے میں آئیں۔ میرے لیے یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ مودب ہو کر بیٹھ گیا۔ پوچھنے لگیں۔ کیسے ہو۔ کیا حال ہے۔ جواب دیا کہ بالکل ٹھیک۔ والدہ نے مجھے بہت غور سے دیکھا۔ لاؤنج کے در و دیوار پر نظر ڈالی۔ خاموشی سے اپنے کمرے میں واپس چلی گئیں۔ میرے ذہن میں بھی کوئی سوال نہیں آیا کہ ماں جی، لاؤنج میں تو کبھی آتیں نہیں تھیں۔ پھر اچانک کیوں۔ یہ تجسس سا تھا۔ سوال نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں گھر سے باہر کسی کام سے گیا۔ میری اہلیہ کا فون آیا کہ امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ فوراً گھر واپس آ جائیں۔ جب میں غریب خانہ پر پہنچا۔ تو والدہ کی طبیعت حد درجہ خراب لگ رہی تھی۔ فوراً انکو نزدیکی ہسپتال میں لے گیا۔ ایمرجنسی میں داخل کروایا۔ یہ ایک نجی ہسپتال تھا۔ انکے بیڈ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یاد ہے کہ ایک ٹیکنیشن ایکسرے کرنے آیا۔ نرس نے ایک جستی چادر کمر کے نیچے بچھانے کی کوشش کی۔ ایسے لگا کہ والدہ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ میں نے خود انتہائی احتیاط سے والدہ کی کمر کے نیچے ایکسرے کیلئے آہنی چادر رکھی۔ ایکسرے ہونے کے چند منٹوں بعد احساس ہوا کہ والدہ سانس نہیں لے رہیں۔ زندگی کی ڈور میرے سامنے ٹوٹ چکی تھی۔ واپسی پر جب ایمبولینس میں ڈیڈ باڈی کے ساتھ بیٹھا تھا، تو ذہن بالکل خالی تھا۔ کسی قسم کے جذبہ کے بغیر۔ پوری طرح یاد ہے۔ بے معنی طریقے سے گاڑی کے شیشے کے باہر دیکھ رہا تھا۔ میرا کتنا بڑا ذاتی نقصان ہو چکا ہے۔ اسکا کوئی علم ہی نہیں تھا۔ تدفین کے عمل کے بعد، کئی دن تک، اپنے آپکو سنبھال نہیں پایا۔ شائد سنبھل تو آج تک نہیں سکا۔ اسلیے کہ پختہ عمر میں نزدیک کے رشتے، دنیا سے جانے کے بعد، آپ ہی کے ساتھ رہتے ہیں۔ مسلسل یادوں میں۔ ویسے، لوگ کہتے ہیں کہ والدین کو قبر میں اُتار دیا۔ بتانا چاہتا ہوں کہ انکی قبریں مٹی میں نہیں، بلکہ دل پر بنتی ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ ماں جی کے فوت ہونے کے چند ہفتے بعد، لاؤنج میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ احساس ہوا، کہ امی اس دن ٹی وی والے کمرے میں کیوں آئیں۔ وہ تو کبھی گھر کے اس حصے میں نہیں آتی تھیں۔ پھر اس دن لاؤنج میں آ کر میری خیریت کیونکر دریافت کی۔ گھر کے در و دیوار پر اتنی گہری نظر کیوں ڈالی۔ اچانک دل میں اس سوال کا جواب آیا کہ شائد خدا کے بندوں کو اس دنیا سے واپسی کا تھوڑا سا ادراک ہو جاتا ہے۔ وہ اشارے کناروں میں اپنے اردگرد کے لوگوں کو بتا دیتے ہیں کہ اب رفاقت ختم ہونے والی ہے۔ شائد یہ

خدا حافظ کہنے کا ایک ایسا طور ہے جسے دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ذاتی گمان ہے کہ موت کے اشارے ضرور مل جاتے ہیں۔دوسروں کو صرف بتانا مشکل ہوتا ہے اور انکا اس اَمر کو سمجھنا بھی کافی مشکل ہوتا ہے۔شائد ناممکن۔شائد ہر ذی روح واپسی کے سفر کی بھنک پالیتا ہے۔کچھ بھی کہے بغیر۔

والدین،خدا نے کیا نرم دل انسان بنائے ہیں۔اسکا احساس شائد جوانی میں کم ہی ہوتا ہے۔مگر بڑھاپے میں اپنے بزرگوں کی ایک ایک بات ذہن میں گھر کر لیتی ہے۔اللہ بخشے۔والد صاحب کو۔حد درجہ رعب دار انسان تھے۔بہترین انگریزی سوٹ میں ملبوس رہتے تھے۔لائل پور میں وکیل تھے،توصفِ اول میں تھے۔عمدہ ترین گاڑی رکھتے تھے۔انکی پہلی گاڑی تو آج تک یاد ہے۔سفید رنگ کی ویکس ہال۔غفار ڈرائیور تھا۔اس وقت لائل پور میں صرف چند گاڑیاں تھیں۔ذہن پر نقش ہے کہ اس گاڑی کو سٹارٹ کرنا کافی مشکل کام ہوتا تھا۔ایک ہینڈل سے،غفار ڈرائیور،انجن میں لگے ایک پیچ کو زور سے گھماتا تھا۔یہ سلسلہ پہلی بار تو مکمل ناکام ہوتا تھا۔دو تین بار ہینڈل گھمانے سے زور سے انجن سٹارٹ ہوجاتا تھا۔ویسے جتنی خوشحالی،والد صاحب کی وکالت میں تھی۔جج بننے کے بعد بالکل تبدیل ہوگئی۔بلکہ ختم ہوگئی۔انکے کپڑے حد درجہ سادہ ہوگئے۔یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ جج بننے کے بعد ایک حد درجہ مختلف انسان تھے۔وہ شخص جو اپنی جوانی میں بہترین گاڑیوں اور کپڑوں کی وجہ سے مشہور ہوں،جج بننے کے بعد اتنا تبدیل ہوجائیگا۔کسی کو بھی یقین کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔پہلے،گھر میں لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔مگر جج بننے کے بعد،حلقہِ احباب انتہائی محدود ہوچکا تھا۔وہی پانچ دوست۔شیخ وحید صاحب جو بعد میں ہائیکورٹ کے جج بنے۔انکے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ویسے جسٹس وحید بھی کمال کے انسان تھے۔سخت گیر جج۔مگر حد درجہ نفیس آدمی۔انکا بیٹا بھی ہائیکورٹ کا جج ہے۔اپنے والد کی طرح نیک نام۔عرض کرنا ضروری ہے کہ بھلے زمانے میں جج صاحبان حد درجہ تنہا سی زندگی گزارتے تھے۔اپنی دنیا میں مگن۔آج تک بھولتا نہیں ہوں۔میرے والد جنہوں نے اوائل سے ذاتی بیش قیمت گاڑی رکھی ہوئی تھی۔جج بننے کے بعد اکثر اوقات بس میں سفر کرتے تھے۔سیشن جج قصور کے طور پر تو اکثر دیکھا کہ بس ہی میں آتے جاتے تھے۔اسی طرح جب جہلم گئے۔تو لاہور سے جہلم،ٹرین پر جاتے تھے۔ویسے یہ لوگ حد درجہ منفرد تھے۔اپنے کام سے کام اور سادہ طوار کے مالک۔سیشن ہاؤس،جھنگ میں کئی بار دیکھا کہ ہفتوں ہفتوں کوئی مہمان نہیں آتا تھا۔مگر انکے چند دوست ضرور تھے۔ان میں والد صاحب حد درجہ مختلف آدمی تھے۔معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ وہی سنجیدہ انسان ہے۔مشتاق دھامنا صاحب،انکل رشید،ناصر سونی انکے بہترین دوستوں میں تھے۔دھامنا صاحب اور انکل رشید تو اس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔ناصر سونی کا مجھے کوئی علم نہیں۔صرف یہ پتہ ہے کہ امریکہ منتقل ہوگئے تھے۔

ایک دن شام کو گھر گیا۔1988 کی بات ہے۔والد صاحب ٹوبہ ٹیک سنگھ آچکے تھے اور والدہ وہاں گرلز کالج کی پرنسپل تھیں۔میں اس وقت سول سروس میں آچکا تھا۔ماں جی،جج صاحب سے پوچھ رہی تھیں کہ ریٹائرمنٹ میں بس دو ڈھائی برس باقی ہیں۔ابھی تک ذاتی گھر نہیں ہے۔سرکاری گھر تو ریٹائرمنٹ کے بعد اجنبی ہوجاتا ہے۔تو کیا کرینگے۔میں ساتھ کھڑا ہوا تھا۔والد صاحب نے جواب دیا کہ گھر تو موجود ہے۔ہم سارے حیران ہوگئے۔کیونکہ ہمارا کوئی ذاتی گھر نہیں تھا۔کہنے لگے کہ تاندلیانوالہ میں ہمارا آبائی

گھر موجود ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں منتقل ہوجاؤنگا۔ والدہ خاموش ہوگئیں۔ اسلیے کہ اس گھر میں تمام بہن بھائی حصہ دار تھے۔ بہرحال جس طرح قرض اُٹھا اُٹھا کر والدین نے گرین ویو جسے راجہ والا بھی کہا جاتا ہے، میں گھر بنایا، ابھی تک ذہن نشین ہے۔ ویسے ریٹائرمنٹ تک وہ گھر نامکمل تھا۔ مگر والدین وہاں منتقل ہوگئے۔ عجیب سی بات ہے۔ جج صاحب، ریٹائرمنٹ کے چند ہفتوں بعد ہی جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ لائل پور میں ہی تدفین ہوئی۔ اسطرح میں دنیا کے دو عظیم ترین رشتوں سے محروم ہوگیا۔ ویسے انکو مرحوم لکھتے ہوئے اَز حد دکھ سا ہوتا ہے۔ پر دیکھیے کہ زندگی کتنی عجیب رسم ہے۔ کہاں کی خاک، کہاں آسودہ ہوتی ہے۔ والدہ علی گڑھ سے لائل پور آئیں۔ انتہائی محنتی اور پڑھی لکھی خاتون۔ علی گڑھ کے نزدیک ایک گاؤں بیر پور تھا۔ والدہ کا تو تعلق اس جگہ سے تھا۔ والد، کلیر شریف کے نزدیک سے اُٹھ کر پاکستان آئے۔ میرے دادا، راؤ اختر، سخت مزاج بزرگ تھے۔ بتاتے تھے کہ کلیر شریف کے ساتھ ایک چھاؤنی بھی تھی۔ کہاں بیر پور اور کہاں کلیر شریف اور پھر کہاں فیصل آباد کا وہ قبرستان جہاں دونوں اَبدی نیند سو رہے ہیں۔ صاحبان یہی زندگی ہے اور اسکا پہیہ یونہی چلتا رہیگا۔ ویسے میں ایک ایسے انمول رشتے کا ذکر ضرور کرنا چاہونگا۔ جسکے بعد مجھے کافی دیر تک اجنبیت کا احساس رہا۔ والد کے چھوٹے بھائی۔ راؤ اسلم۔ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے اور کامیاب وکالت کرتے تھے۔ بار کونسل کا الیکشن ہمیشہ لڑتے تھے اور جیتتے تھے۔ جب تک زندہ رہے، ممبر پنجاب بار کونسل رہے۔ میرے والد تو خیر اپنے چھوٹے بھائی پر جان چھڑکتے تھے۔ اسلم چچا جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ میرے لیے حد درجہ شفیق تھے۔ جہاں نظر آتے ان سے بیس پچیس روپے ہتھیا لیتا تھا۔ ایک دن کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہاسٹل آئے۔ تو مجھے سو روپے دے دیے۔ یہ 1979 کی بات ہے۔ سو روپے کی کتنی وقعت ہوگی۔ اسکا اندازہ 2021 میں لگانا ناممکن ہے۔ انہوں نے ایک موٹر سائیکل خریدی۔ جسے انہوں نے کبھی بھی نہیں چلایا۔ سو اس موٹر سائیکل کا مالک فدوی بن چکا تھا۔ اندازہ لگایئے کہ ستر کی دہائی میں اگر ایک نوجوان کے پاس ہر وقت موٹر سائیکل ہو، تو کتنی بڑی بات ہوگی۔ چچا اسلم سے محبت کا وہ رشتہ تھا جسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ دریا دل انسان۔ دوستوں کے دوست۔ جب چچا کا یکدم انتقال ہوا تو والد صاحب صدمہ سے نڈھال ہوگئے۔ جتنی وارفتگی سے جج صاحب کو پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، اسکو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ چچا اسلم کے بچے اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ ماشاءاللہ اب سارے جوان ہیں اور اپنی اپنی زندگی میں آسودہ حال ہیں۔ لائل پور یا فیصل آباد جاتا ہوں تو صرف اپنے پیاروں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کیلیئے۔ قبرستان میں جوتے پہن کر بھی داخل نہیں ہوتا۔ اس وقت مجھے اپنے آپکو سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ اپنے بیٹوں کو بھی وہاں لیکر جاؤں۔ دوبارہ عرض کرونگا کہ لوگ کہتے ہیں کہ انکے پیارے قبرستان میں دفن ہیں۔ میری دانست میں تو عزیز ترین ہستیوں کی قبریں تو انسان کے دلوں پر بنی ہوتی ہیں۔ یہ گارے مٹی کی نہیں، بلکہ خون سے مزین ہوتی ہیں۔ ہمیشہ قائم۔ ہمیشہ آسودہ حال! اصل قبرستان تو دل ہوتا ہے!

راؤ منظر حیات